43

تحریک جدید کے مالی پہلو کے ساتھ ساتھ دیگر مطالبات کی طرف بھی توجہ کریں

(فرمودہ 8 دسمبر 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں آج پھر تحریکِ جدید کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مگر اِس مضمون کو شروع کرنے سے پہلے مَیں اِس آنے والے جلسہ سالانہ کے متعلق یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ اِس سال کسی الٰہی مصلحت کے ماتحت عورتوں میں کثرت سے بیماریاں پائی جاتی ہیں اور یہ کثرت حیرت انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے بعض باریک قانون ایسے ہیں جن کو ابھی طب نہیں سمجھ سکی۔ بعض دفعہ بیماریوں کا زیادہ حملہ بوڑھوں پر ہوتا ہے، بعض دفعہ زیادہ حملہ بیماریوں کا نوجوانوں پر ہوتا ہے، بعض دفعہ زیادہ حملہ بچوں پر ہوتا ہے، بعض دفعہ بیماریوں کا زیادہ حملہ مردوں پر ہوتا ہے، بعض دفعہ بیماریوں کا زیادہ حملہ عورتوں پر ہوتا ہے اور اس سال بیماریوں کا زیادہ حملہ عورتوں پر معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیماریوں کا حملہ عورتوں کے متعلق اِس سال ایسا حیرت انگیز ہے کہ ایک دن ایک ڈاک میں پانچ مختلف مقامات سے پانچ احمدی خواتین کی

وفات کی خبریں آئیں اور ان سب کی وفات قریباً ایک ہی بیماری کے نتیجہ میں واقع ہوئی تھی۔ اور پانچ خواتین کی وفات کی اطلاع کے ساتھ چھ تار آئے اور ہر تار کے الفاظ یہی تھے کہ

Wife seriously ill, pray.

یعنی میری بیوی سخت بیمار ہے دعا کی جائے۔ ایک محدود ڈاک میں ایک دن میں ہی گیارہ ایسی اطلاعات کا ملنا جن میں سے پانچ اطلاعات وفات کی اور چھ سخت بیماری کی ہیں سخت حیرت انگیز بات ہے اور سب کی بیماری قریباً ایک ہی جیسی تھی۔ یعنی یا تو اِسقاط ہوا اور یا پھر زیادہ خون کا آنا لکھا تھا۔ علاوہ اِس کے عورتوں کی بیماری کی خبریں متواتر آرہی ہیں۔ گو چند دنوں کی ڈاک میں زیادہ خبریں تو نہیں آئیں مگر پھر بھی متواتر ایسی خبریں آرہی ہیں۔ خود قادیان میں بھی متواتر ایسے کیس ہوئے ہیں کہ اِسقاط ہو گیا یا غیر معمولی طور پر خون کے زیادہ آنے کی وجہ سے وفات ہو گئی یا بیماری کا سخت حملہ ہو گیا۔ ایسے حالات میں عورتوں کے لیے جلسہ پر آنے کے لیے سفر کرنا مَیں سمجھتا ہوں مناسب نہ ہو گا۔ پچھلے سال بھی بعض مجبوریوں کی وجہ سے مَیں نے اعلان کیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے عورتیں نہ آئیں۔ مگر پھر بھی قادیان کے ساتھ محبت کے جوش میں عورتیں آ ہی گئی تھیں اور عورتوں کے جلسہ میں حاضری پہلے سالوں کی نسبت کم نہ تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی۔

اِس میں شبہ نہیں کہ اخلاص اور محبت انسان سے بہت کچھ قربانیاں کرا لیتی ہے۔ مگر اِس میں بھی شبہ نہیں کہ مومن کی جان خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بہت قیمتی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مجھ پر مومن کی جان نکالنے کا فعل بہت گراں ہوتا ہے۔[1] تو مومن کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی جان بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے جو آئندہ نسل کو قائم رکھنے والی ہوتی ہیں۔ اِن حالات میں مَیں سمجھتا ہوں مجھے پچھلے سال سے زیادہ زور کے ساتھ یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ اِس دفعہ عورتیں بِالعموم نہ آئیں۔ خصوصاً ایسی بیماری کے دنوں میں بچے بیماری کے اثر کو زیادہ قبول کرتے ہیں اور یہ عورتوں میں بیماری کی وباء کا خاص موسم ہے۔ بارشیں بھی نہیں ہوئیں اور خشک سردی پڑ رہی ہے اور اِس وجہ سے بھی عورتوں اور بچوں کے بیماری کا شکار ہو جانے کا زیادہ موقع ہے۔

اور اِس سال ایک نئی بات یہ پیدا ہو گئی ہے کہ چونکہ گاڑیوں کے دروازوں میں اور پائیدانوں پر کھڑے ہو کر سفر کرنے کی وجہ سے ایسے حوادث ہوئے ہیں جن کے نتیجے میں کئی اموات ہوتی رہی ہیں اِس لیے قریباً ایک ہی ہفتہ ہوا گورنمنٹ نے ایک نیا آرڈیننس جاری کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص گاڑی کے دروازہ میں یا پائیدان پر کھڑا ہو کر سفر کرتا ہوا پایا گیا تو اُسے قید کی سزا دی جائے گی۔ اور قادیان آنے کے لیے اول تو ویسے بھی گاڑیوں کا انتظام کم ہے اور پھر جب گاڑیوں کے کمروں میں عورتیں بھر جاتی ہیں تو مردوں کو مجبوراً باہر کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑتا ہے اور گورنمنٹ نے جو حکم نافذ کیا ہے اُسے اُس نے ضرور پورا کرنا ہے اور دوسری طرف گاڑیوں کے اندر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مردوں کے لیے باہر کھڑے ہو کر سفر کرنے کے سوا چارہ نہ ہو گا۔ تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہمارے سینکڑوں آدمی بِلاوجہ اور بغیر کسی ایسے قانون کو توڑنے کے جس سے ملک کا امن برباد ہوتا ہو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

پس عورتوں میں بیماری کی کثرت، بارشوں کے نہ ہونے کی وجہ سے، خشک سردی کے باعث بچوں اور عورتوں کے بیماریوں کا شکار ہو جانے کے خطرہ اور گورنمنٹ کے اِس نئے قانون کی وجہ سے مَیں اعلان کرتا ہوں کہ پنجاب کی عورتیں اِس سال جلسہ سالانہ پر نہ آئیں۔ اِس میں مَیں یہ استثنا کر دیتا ہوں کہ بعض لوگوں کے رشتہ دار کہیں دُور دراز مقامات پر باہر گئے ہوئے ہوتے ہیں اُن کے ہاں شادی وغیرہ کا موقع ہوتا ہے اور وہ جلسہ کے موقع پر ہی شادی کی تاریخ رکھ لیتے ہیں اور اِس وجہ سے اُن کی عورتوں کا آنا ضروری ہو جاتا ہے وہ آسکتی ہیں۔ یا جن عورتوں کے ساتھ بچے نہ ہوں یا جن کو سفر کی سہولتیں حاصل ہوں مثلاً وہ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں سفر کر سکتی ہوں یا موٹر میں کر سکتی ہوں وہ بھی اِس سے مستثنٰی ہیں مگر عورتیں بالعموم اِس سال جلسے پر نہ آئیں سوائے کسی اشدّ ضرورت کے۔ مثلاً جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے شادی کی کوئی تقریب ہو یا اَور کوئی ایسی ہی ضرورت ہو۔ انسان کے لیے کوئی مکمل قانون بنانا مشکل ہوتا ہے۔ ممکن ہے کسی کو کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جو اِس وقت میرے ذہن میں نہ ہو۔ ایسی صورت میں تو عورتوں کو اجازت ہے اور ایسی ہی عورتیں آسکتی ہیں۔

یا پھر وہ عورتیں آسکتی ہیں جن کے ساتھ چھ سات سال سے کم عمر کے بچے نہ ہوں۔ یا وہ آسکتی ہیں جن کو سواری کی سہولتیں میسر ہوں۔ ایسی عورتوں کے سوا پنجاب کی عورتیں نہ آئیں۔ پنجاب سے باہر کے لیے مَیں نے یہ پابندی نہیں رکھی کیونکہ ان کے لیے قادیان آنے کا موقع جلسہ سالانہ ہی ہوتا ہے مگر پنجاب کی عورتیں دوسرے موقع پر بھی آسکتی ہیں۔ مثلاً مجلس شوریٰ کے موقع پر مرد کم آتے ہیں اِس لیے عورتیں آسانی سے آسکتی ہیں۔ کیونکہ اُن کے لیے اُن ایام میں گاڑیوں میں زیادہ گنجائش نکل سکتی ہے اور وہ قادیان کو دیکھنے، یہاں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے اور برکت حاصل کرنے کے لیے آسانی کے ساتھ آسکتی ہیں۔ ایسے مواقع پر جب تکالیف کا وقت ہو حج بھی جو فرض ہے منع ہو جاتا ہے۔ احادیث اور کتب فقہ میں آتا ہے کہ حج صرف اُس کے لیے ہی کرنا فرض ہے جس کے پاس حج کے اخراجات کے لیے کافی رقم ہو اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی کافی خرچ دے سکتا ہو اور جسے سفر کے لیے ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں۔ اگر اِن شرائط کے بغیر کوئی حج کے لیے جاتا ہے تو چونکہ وہ حج کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے اِس لیے فقہ والوں کے نزدیک وہ گنہگار ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں حج کے متعلق ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا [2] یعنی جب تمام ضروری سامان مہیا ہوں تو حج کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ تو جب ایسا موقع بھی ہوتا ہے کہ جب حج جو ایک فرض ہے منع ہو جاتا ہے تو ہمارا جلسہ تو بہر حال نوافل میں سے ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ مومنوں کی جانیں نوافل کے لیے قربان کرنے کا خطرہ برداشت کیا جائے۔ جو مرد جلسہ پر آئیں وہ واپس جاکر وہ باتیں جو وہ یہاں سُنیں عورتوں کو سنا سکتے ہیں اور یہاں آنے سے علوم میں زیادتی کا جو موقع عورتوں کو میسر آسکتا ہے اُسے وہ اپنے خاوندوں یا بھائیوں یا بیٹوں یا باپوں سے حاصل کر سکتی ہیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعتیں اصرار اور توجہ کے ساتھ میری اِس ہدایت پر کاربند ہونے کی کوشش کریں گی اور عورتوں کو اِس بات پر آمادہ کریں گی کہ وہ قربانی کریں اور اپنی اور اپنے مردوں کی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ ہاں جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے استثنائی صورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور اشدّ ضرورت کے ماتحت جیسے کوئی شادی ہو۔ مثلاً کسی کا کوئی رشتہ دار جو فوج میں ملازم ہے جلسہ پر آیا ہے اور اُسے دو تین روز کی ہی رخصت ہے اور

وہ جلسہ کے بعد گھر جا کر اپنے رشتہ داروں سے نہ مل سکے گا۔ ایسے لوگوں کی رشتہ دار عورتیں آسکتی ہیں۔ ورنہ عام ہدایت یہی ہے کہ پنجاب کی عورتوں کو جلسہ پر آنے سے روکا جائے۔ سوائے اُن کے جن کے ساتھ چھ سات سال سے کم عمر کے بچے نہ ہوں۔ اِس سے زیادہ عمر کے بچے ایک حد تک سفر کی تکالیف برداشت کر سکتے ہیں اور ان میں علم حاصل کرنے کا بھی شوق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مگر جن عورتوں کے ساتھ چھ سات سال سے کم عمر کے بچے ہوں وہ نہ آئیں اور جن کو سفر کی سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں وہ بھی اس سے مستثنٰی ہیں۔

اِس کے بعد مَیں تحریک جدید کی طرف دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں۔ جہاں اِس کا ایک پہلو مالی تھا وہاں کچھ اَور قیود بھی تھیں مثلاً سادہ زندگی اختیار کرنا اور کھیل تماشوں وغیرہ سے اجتناب۔ جہاں تک مجھے علم ہے جماعت کی اکثریت نے اِس پر عمل کیا ہے۔ مگر پھر بھی ایک طبقہ ایسا ہے جس نے پورے طور پر اِس پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن ہوئے دہلی سے ایک نوجوان کا خط مجھے ملا کہ یہاں بعض نوجوان سینما جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے نہ دیکھنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک قانون کا سوال ہے جبراً روکنے کا اختیار حکومت کو ہی ہو سکتا ہے ہمیں یہ اختیار نہیں۔ مگر روکنا بھی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک روکنا محبت اور پیار کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بچے اگر ماں باپ کی بات مانتے ہیں تو محبت اور پیار کی وجہ سے ہی مانتے ہیں ورنہ کونسا ایسا قانون یا قاعدہ ہے کہ جس سے ماں باپ بچوں کو مجبور کر کے حکم منوا سکتے ہیں۔ بسا اوقات بچے جوان ہوتے ہیں، خود کماتے ہیں اور ماں باپ کی بھی پرورش کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ماں باپ اُن کو کوئی ہدایت کریں تو وہ اسے مانتے ہیں۔ اِس لیے نہیں کہ اگر وہ نہ مانیں تو ماں باپ مجبور کر کے منوا سکتے ہیں۔ بلکہ اِس لیے کہ ماں باپ کے ساتھ اُن کا تعلق محبت اور پیار کا ہوتا ہے۔ اِسی طرح ہمارا نظام بھی محبت اور پیار کا ہے۔ کوئی قانون ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے احکام منوا سکیں۔ **بلکہ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ احمدیت میں خلافت ہمیشہ بغیر دنیوی حکومت کے رہنی چاہیے۔ دنیوی نظامِ حکومت الگ ہونا چاہیے اور خلافت الگ تا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کی نگرانی کر سکے۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں لیکن اگر آئے تو میری رائے یہی ہے کہ خلفاء کو ہمیشہ**

عملی سیاسیات سے الگ رہنا چاہیے اور کبھی بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ ورنہ سیاسی پارٹیوں سے براہ راست خلافت کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور خلافت ایک سیاسی پارٹی بن کر رہ جائے گی اور خلفاء کی حیثیت باپ والی نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کی ابتداء میں خلافت اور حکومت جمع ہوئی ہیں مگر وہ مجبوری تھی کیونکہ شریعت کا ابھی نِفاذ نہ ہوا تھا اور چونکہ شریعت کا نِفاذ ضروری تھا اِس لیے خلافت اور حکومت کو اکٹھا کر دیا گیا۔ اور ہمارے عقیدہ کی رو سے یہ جائز ہے کہ دونوں اکٹھی ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ ہوں۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہمیں حکومت دے اُس وقت بھی خلفاء کو اسے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ الگ رہ کر حکومتوں کی نگرانی کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ اسلامی احکام کی پیروی کریں اور ان سے مشورہ لے کر چلیں اور حکومت کا کام سیاسی لوگوں کے سپرد ہی رہنے دیں۔ پس اگر حکم کا سوال ہے تو میرا نقطۂ نگاہ تو یہ ہے کہ اگر میری چلے تو مَیں کہوں گا کہ حکومت ہاتھ میں آنے پر بھی خلفاء اسے اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ انہیں اخلاق اور احکامِ قرآنیہ کے نفاذ کی نگرانی کرنی چاہیے۔ پس اگر کوئی ہماری نصیحت کو نہیں مانتا تو اس طرح کا حکم تو جیسے حکومت کے احکام ہوتے ہیں نہ ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہم دے سکتے ہیں اور نہ اس کا نفاذ کرا سکتے ہیں۔ اور میرے دل کا میلان یہ ہے کہ ایسے اختیارات کو لینا مَیں پسند ہی نہیں کرتا۔ اِس لیے ہم تو جب بھی کوئی بات کہیں گے محبت اور پیار سے ہی کہیں گے۔ اور اگر اس سے کوئی یہ استدلال کرتا ہے کہ حکم نہیں تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے احکام دینا نہ تو ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہی ہم ایسے احکام کے نفاذ کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جو حکم تلاش کرتے ہیں وہ اِس جماعت میں داخلہ سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ فائدہ وہی حاصل کر سکتا ہے جو محبت کے تعلق کو قائم رکھے اور یہ نہ دیکھے کہ کوئی بات **حُکماً** کہی گئی ہے یا نہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھے کہ جس سے پیار ہے اُس کی بات کو وزن دینا ضروری ہے اور اُس کے نقشِ قدم پر چلنا لازمی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں بعض

ایسے لوگ بھی بیٹھتے ہیں جو داڑھیاں مُنڈواتے ہیں اور آپ اُن کو داڑھی مُنڈوانے سے روکتے بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا تعلق تو محبت کا ہے۔ جب اِن لوگوں کو ہمارے ساتھ محبت ہو گی اور یہ دیکھیں گے کہ ہم داڑھی رکھتے ہیں اور داڑھی کا رکھنا پسند کرتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داڑھی تھی اور آپ اسے پسند کرتے تھے تو خودبخود رکھنے لگ جائیں گے اور اِس کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے گی کہ مجبور کر کے اِن کو داڑھی رکھوائی جائے یا کوڑے مار کر یا سزا دے کر رکھوائی جائے۔ جب اِن کے اندر عشق پیدا ہو گا تو اِس عشق کی وجہ سے یہ خودبخود رکھنے لگ جائیں گے۔3 تو بے شک اِن معنوں میں تو ہم نے حکم نہیں دیا کہ تماشے وغیرہ نہ دیکھے جائیں جن معنوں میں حکومت کے احکام ہوتے ہیں ورنہ ہدایت بھی حکم ہی ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہاں یہ حکم دیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھایا جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ آپ کا کوئی ایسا حکم معیّن الفاظ میں ہی ہو تو اُس کو مانا جائے۔ ہر مومن جب دیکھتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اور اسے پسند کرتے تھے اور بعض دوسروں کو آپ نے اِس کی ہدایت کی تو وہ اس پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اور اگر وہ اس پر عمل نہیں کرے گا تو یقیناً اُس کے ایمان میں رخنہ پیدا ہو گا۔ تو یہ بات ہی غلط ہے کہ ہر بات کے لیے حکم ہی ہو تو اُس پر عمل ہو گا ورنہ نہیں۔ اگر ہر بات کے لیے حکم ہو تو وہی مثال ہو گی جیسے کہتے ہیں کوئی آقا تھا جو اپنے نوکروں پر بہت سختی کیا کرتا تھا۔ ایک شخص اُس کے پاس آکر نوکر ہوا اور اُس نے کہا کہ جناب مجھے لکھ کر دے دیجیے کہ مجھے کیا کیا کام کرنے ہوں گے۔ اگر مَیں ان میں سے کسی میں بھی کوتاہی کروں تو جو سزا چاہیں دیں۔ اور اگر مَیں آپ کے وہ تمام احکام بجالاؤں تو پھر آپ کو خفگی کا کوئی حق نہ ہو گا۔ آقا بے وقوف تھا وہ دھوکے میں آ گیا اور اُس نے خیال کیا کہ اب یہ اچھی طرح قابو آ جائے گا۔ وہ لکھنے بیٹھ گیا اور بہت دیر تک سوچ سوچ کر اُس نے ایک لمبی فہرست تیار کی اور نوکر کو دے دی۔ نوکر کچھ دن وہ تمام کام کرتا رہا۔ ایک دن آقا گھوڑے پر سوار تھا اور نوکر ساتھ چلا جا رہا تھا کہ گھوڑا بِدک گیا اور ایسا بھاگا کہ آقا نیچے گر گیا۔ مگر اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا۔ گھوڑا بھاگا جا رہا تھا اور وہ ساتھ ساتھ گِھسٹتا جا رہا تھا۔ اُس نے نوکر کو آواز دی کہ بھاگ کر آؤ اور میرا پَیر

رکاب میں سے نکالو۔ نوکر نے جیب سے اُس کے تحریر کردہ احکام کی فہرست نکالی اور کہا:۔

دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں۔

اب بھلا یہ بات کس کے ذہن میں آسکتی ہے کہ یہ بھی لکھ دوں کہ اگر مَیں کبھی گھوڑے سے گِر پڑوں اور پاؤں رکاب میں پھنس جائے تو اسے نکالنا بھی تمہارا فرض ہے۔ تو اِس قسم کا تعلق بالکل بے معنی ہوتا ہے۔ کسی کا باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی اَور عزیز اِس طرح گر رہا ہو اور وہ ساتھ ہو تو خواہ اُسے کوئی حکم نہ بھی ہو وہ فوراً بھاگ کر اُس کی مدد کو پہنچے گا۔ بلکہ اگر کوئی تعلق رشتہ داری کا نہ ہو تب بھی انسان ایسی حالت دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں سارا تعلق احکام پر ہی ہو وہاں یہی مثال صادق آتی ہے جو اس آقا اور نوکر کی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جب عمرہ کے لیے گئے تو حدیبیہ کے مقام پر کفار نے ان کو روکا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق یہی مناسب سمجھا کہ صلح کر لی جائے۔ صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے مکہ کا ایک سردار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بات چیت کرنے لگا۔ آپ اُس کی پیش کردہ شرائط پر جرح فرماتے اور بعض شرائط کے متعلق فرماتے کہ یہ سختی ہے اسے بدلو۔ وہ بعض دفعہ آپ کی بات مان لیتا اور بعض دفعہ زور دیتا کہ آپ اُس کی بات مان لیں۔ وہ بوڑھا آدمی تھا اِس لیے بعض اوقات کہتا کہ دیکھو مَیں باپ کی جگہ ہوں میری بات مان لو اس میں آپ کے لیے فائدہ ہے۔ اور باتیں کرتے وقت وہ کبھی آپ کی داڑھی کو ہاتھ لگاتا اور کہتا کہ میری یہ بات مان لیں۔ یہ عام طریق ہے کہ بڑی عمر کے آدمی جب کسی سے کوئی بات کرنے لگتے ہیں تو کبھی اپنی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! میری اِس داڑھی کا لحاظ کرو اور میری بات مان لو اور کبھی دوسرے کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اب یہ کوئی شریعت کا حکم نہیں تھا کہ اگر کوئی کافر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگائے تو صحابہؓ کا فرض ہے کہ اُسے روکیں۔ مگر محبت خود حکم تجویز کر لیتی ہے۔ جب اُس نے دو تین بار اِس طرح آپ کی داڑھی کو ہاتھ لگایا تو ایک صحابی سے نہ رہا گیا اور اُنہوں نے آگے بڑھ کر تلوار کا کُندا اُس کے ہاتھ پر مار کر اُس کا ہاتھ ہٹا دیا اور کہا اپنا ناپاک ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریشِ مبارک کو

مت لگاؤ۔ اب جہاں تک عمر کا سوال ہے یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ بڑی عمر کے لوگ چھوٹی عمر کے آدمیوں سے بات کرتے وقت کبھی اپنی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں اور کبھی دوسرے کی داڑھی کو۔ اور گو وہ شخص عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا تھا مگر صحابہؓ کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے مقابل میں اُس کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اُس صحابی نے جب اِس طرح اُس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا تو اُس نے نظر اوپر اٹھا کر اُس صحابی کی طرف دیکھا۔ اُنہوں نے خَود پہنا ہوا تھا جس سے چہرہ ڈھکا ہوا تھا صرف آنکھیں ننگی تھیں۔ اِس لیے اُسے پہچاننے میں کچھ دیر لگی مگر اُس نے پہچان لیا اور کہا کہ کون؟ کیا تم فلاں کے بیٹے ہو؟ اُس صحابی نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ مجھ سے ایسا سلوک کرتے ہو؟ تمہارے خاندان پر میرے یہ یہ احسانات ہیں پھر تم نے یہ حرکت کیسے کی؟ واقع میں وہ محسن طبیعت کا آدمی تھا، سب کی خدمت کیا کرتا تھا اور قریباً سب اہل مکہ اُس کے زیرِ احسان تھے۔ عربوں بالخصوص مسلمانوں میں احسان کی بڑی قدر تھی اِس لیے گو صحابہؓ کے دل یہ دیکھ کر کہ وہ بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتا تھا جل رہے تھے مگر اُس کے احسانات کی وجہ سے خاموش تھے اور وہ پھر بڑے جوش سے باتیں کرتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا دیتا اور کہتا کہ دیکھو! مَیں عرب کا باپ ہوں میری یہ بات مان لو اِس میں آپ لوگوں کا فائدہ ہے۔ وہ اِس طرح باتیں کر رہا تھا کہ جس طرح بڑی عمر کے لوگ چھوٹی عمر والوں سے باتیں کیا کرتے ہیں اور صحابہؓ میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اُسے روکیں کیونکہ قریباً سب مکہ والے اُس کے زیر احسان تھے۔ اُس نے دو تین بار جو اِس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگایا تو صحابہؓ میں سے ایک آگے بڑھا اور اُس کے ہاتھ کو پیچھے ہٹا کر کہا کہ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا۔ تُو کون ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتا ہے۔ اُس نے اس صحابیؓ کی طرف دیکھا اور پھر پہچان کر کہا کہ کون ہے؟ ابوبکر ابوقحافہ کا بیٹا؟ اور پھر کہا کہ بے شک تمہارا حق مجھے روکنے کا ہے۔ تمہارے خاندان پر بے شک میرا کوئی احسان نہیں۔**4** حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت شرمیلی تھی مگر آپ سمجھ گئے کہ اُس شخص کو روکنے کی جرأت اب کوئی صحابی نہیں کر سکتا۔ مَیں ہی ہوں

جس پر اس کا کوئی احسان نہیں اور اس لیے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔ تو اب یہ کونسا حکم تھا کہ اگر کوئی کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے باتیں کرتے ہوئے آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا دے تو اُسے روکا جائے۔ یہ صرف محبت کا ہی تعلق تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منع فرماتے تب بھی صحابہؓ کے دل اِس موقع پر اُبلنے ضروری تھے۔ آخر جب معاہدہ تحریر کیا جانے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھوایا کہ مَیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اہل مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہوں۔ اِس پر اُس شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو پھر کسی معاہدہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پھر تو ہم آپ پر ایمان ہی لے آتے۔ پس اِس معاہدہ میں جو دو فریقوں کے درمیان ہو رہا ہے رسول اللہ لکھنے کے کیا معنے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھنے والے سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر اِس کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ لکھنے والے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مَیں تو رسول اللہ کا لفظ کاٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اب یہاں تو حکم بھی تھا کہ یہ لفظ کاٹ دو مگر حضرت علیؓ کی محبت نے اُنہیں ایسا نہ کرنے دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ لاؤ کاغذ مجھے دو اور اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔5 تو یہاں بظاہر حُکم بھی تھا مگر اس حُکم کے ہوتے ہوئے بھی حضرت علیؓ اُسی رستہ پر چلے جو محبت اور ادب کا رستہ تھا۔ مگر چونکہ کفار کا یہ اعتراض صحیح تھا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تو پھر آپ سے کوئی معاہدہ ہی کیوں کرتے۔ معاہدہ کرنے کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے اِس لیے اِس معاہدہ میں وہ لفظ نہیں لکھا جانا چاہیے جو ہم مانتے ہی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن الفاظ کو خود کاٹ دیا۔ یہ آپ کا انصاف تھا۔

مگر آج احرار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارہ میں یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب امرتسر کے جلسہ میں ایک معزز سکھ نے حضرت محمدؐ صاحب کہا تو وہ گالیاں دینے لگ گئے کہ حضرت محمدؐ صاحب کیوں کہتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیوں نہیں کہتے؟ حالانکہ اُن کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنا نمونہ موجود تھا کہ جب کفار نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے کاٹ دیا۔

مگر جس فیصلہ کا اعلان آج سے چودہ سو سال قبل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما چکے ہیں یہ احراری آج اسے رد کر رہے ہیں اور پھر اِس طرزِ عمل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت کا دعوٰی بھی کرتے ہیں۔ اور نادان اِتنا نہیں سمجھتے کہ اگر وہ شخص آپ کو رسول اللہ مانتا تو پھر سکھ کیوں رہتا مسلمان کیوں نہ ہو جاتا۔ اُس کا حق یہی تھا کہ "حضرت محمدؐ صاحب" کہہ دیتا اور مسلمانوں کو اُس کا ممنون ہونا چاہیے تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام احترام کے ساتھ لیتا ہے۔ مگر احراریوں نے شور مچا دیا اور گالیاں دینے لگے حالانکہ خود مسلمانوں کے لٹریچر میں کئی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر صرف محمدؐ اور احمدؐ کہہ کر کیا گیا ہے۔ گو یہ محبت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک ضمنی بات تھی اور یہ مثال میں نے اِس لیے دی ہے کہ جہاں محبت کا تعلق ہو وہاں حکم تلاش نہیں کیے جاتے بلکہ ہدایت اور منشاء کو تلاش کر کے پیچھے چلنا ضروری ہوتا ہے۔

احادیث میں اس کی ایک اَور مثال بھی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ بعض لوگ کناروں پر دیواروں کے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ اس لیے پیچھے کے لوگ آواز کو سن نہ سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گلی میں آرہے تھے وہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کہ "بیٹھ جاؤ" آپ کے کان میں پڑے اور آپ وہیں بیٹھ گئے اور پھر جس طرح بچے گِھسٹ گِھسٹ کر چلتے ہیں گھسٹنے لگے اور اِسی حالت میں خطبہ گاہ کی طرف آنے لگے۔ پیچھے سے ایک اَور صحابی آئے اور اُنہوں نے کہا عبد اللہ! یہ کیا بے ہودہ حرکت کر رہے ہو؟ تم تندرست اور توانا آدمی ہو یہ کیا حرکت کر رہے ہو؟ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد میرے کان میں پڑا تھا کہ "بیٹھ جاؤ" اور مَیں نے سوچا کہ اگر خطبہ گاہ تک پہنچنے سے قبل میری موت واقع ہو جائے تو مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حکم پر عمل کیے بغیر ہی مر جاؤں گا۔ اس لیے مَیں نے ضروری سمجھا کہ فوراً ہی اِس حکم پر عمل کر لوں۔**6** حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ یہ حکم حضرت عبد اللہؓ کے لیے نہ تھا بلکہ اُن لوگوں کے لیے تھا جو کناروں پر کھڑے تھے۔ مگر پھر بھی جونہی آپ کے یہ الفاظ کہ "بیٹھ جاؤ"

اُن کے کان میں پڑے ایک عاشقِ صادق کی طرح وہ گلی میں ہی بیٹھ گئے اور اِس طرح چلنے لگے کہ جس طرح سنجیدہ لوگ عام طور پر نہیں چلتے۔ اور یہی مناسب سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منشاء مبارک مجھے بھی پورا کرنا چاہیے۔ گو آپؐ کی مراد مجھ سے نہیں۔

قرآن کریم میں حکم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے کوئی مشورہ لو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔7 کہتے ہیں حضرت علیؓ نے اِس حکم سے پہلے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مشورہ نہ لیا تھا۔ مگر جب یہ حکم نازل ہوا تو حضرت علیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ رقم بطور صدقہ پیش کر کے عرض کیا کہ مَیں کچھ مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے الگ جا کر حضرت علیؓ سے باتیں کیں۔ کسی دوسرے صحابی نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ کیا بات تھی جس کے متعلق آپ نے مشورہ لیا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ کوئی خاص بات تو مشورہ طلب نہ تھی مگر مَیں نے چاہا کہ قرآن کریم کے اِس حکم پر بھی عمل ہو جائے۔ شیعہ اِس واقعہ سے دوسرے صحابہ کی تنقیص کا پہلو نکالتے ہیں۔ مگر اُن کی یہ بات بالکل لغو ہے۔ یہ واقعہ حضرت علیؓ کی محبت کا ثبوت ضرور ہے مگر اِس میں دوسرے صحابہؓ کی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں۔ شیعہ لوگ اِس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کریم میں ءَاَشْفَقْتُمْ کا جو لفظ آیا ہے یعنی کیا تم اِس بات سے ڈر گئے ہو کہ مشورہ لینے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔8 اِس سے مراد یہ ہے کہ صحابہؓ صدقہ کے حکم سے ڈر گئے تھے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حکم پہلے دن نازل ہوا کہ مشورہ لینے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو اور دوسرے دن اسے منسوخ کرنے والا حکم نازل ہو گیا۔ کیونکہ صحابہؓ اِس بات سے ڈر گئے تھے کہ اب انہیں صدقہ دینا پڑے گا مگر حضرت علیؓ نے اِس حکم پر عمل کیا۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ حضرت علیؓ نے زیادہ سے زیادہ ایک دینار صدقہ دے دیا ہو گا۔ مگر صحابہؓ میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے بہت بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چندہ کی تحریک فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس تحریک میں مَیں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں۔ چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے آئے۔ وہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ پہلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچ چکے تھے اور

اپنا چندہ پیش کر چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے کہا ابو بکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور رسول کا نام ہی گھر میں چھوڑا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے دل میں کہا کہ مَیں اِن سے بڑھ نہیں سکتا۔9 تو جن لوگوں نے اپنے سارے مال اور نصف مال پیش کر دیے کوئی اندھا اور نادان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک دینار پیش کرنے سے ڈر گئے۔

ایک غزوہ کی تیاری کے لیے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چندہ کی تحریک کی تو حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار دینار پیش کیے۔10 پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ایک دینار بطور صدقہ پیش کرنے سے ڈر گئے۔ شیعوں کی یہ بات صرف صحابہؓ سے بُغض اور کینہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک نیکی کا خیال حضرت علیؓ کو آیا اور اُنہوں نے اِس پر عمل کیا۔ مگر یہ نہیں کہ اِس واقعہ سے دوسرے صحابہؓ کی تنقیص ثابت ہوتی ہے۔

بعض دفعہ کسی کو ایک نیکی کا خیال آجاتا ہے اور وہ اُس پر عمل کر لیتا ہے مگر اِس سے دوسروں پر اُس کی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جنت کا ایک مقام ایسا ایسا ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے وہ مقام عطا کرے گا۔ یہ بات سنتے ہی ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسولَ اللہ! دعا فرمائیں مَیں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔ یہ سن کر ایک اَور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا یَارسولَ اللہ! میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ مَیں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جس نے اِس سے فائدہ اٹھانا تھا اٹھا لیا۔11 اب تو ہر کوئی یہ کہہ سکتا ہے۔ تو کسی نیکی کا خیال بعض اوقات کسی کو آجاتا ہے اور کسی دوسری نیکی کا خیال کسی دوسرے کو آجاتا ہے۔ یہ موقع اس آیت کی تفسیر کا نہیں ہے اِس لیے مَیں اِس کی تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ مگر بہر حال یہ اعتراض خلافِ عقل اور خلافِ واقعہ ہے۔ ہاں ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو ایک نیکی کا خیال آگیا اور اُنہوں نے اس سے فائدہ بھی اٹھا لیا۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے کہ دوسرے صحابہؓ ڈر گئے تھے۔ جن لوگوں نے اپنے نصف اموال پیش کر دیے بلکہ جنہوں نے سارے اموال دے دیے اور ایک ایک تحریک میں

بارہ بارہ ہزار دینار دیے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک دینار پیش کرنے سے ڈر گئے۔ تو مومن یہ نہیں دیکھا کرتا کہ حکم کیا ہے۔ بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ بات کی غرض و غایت کیا ہے اور پھر اُس پر عمل کرتا ہے اور اُس غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سینما کے متعلق میرا خیال ہے کہ اِس زمانہ کی بدترین لعنت ہے۔ اِس نے سینکڑوں شریف گھرانے کے لوگوں کو گویّا اور سینکڑوں شریف خاندانوں کی عورتوں کو ناچنے والی بنا دیا ہے۔ مَیں ادبی رسالے وغیرہ دیکھتا رہتا ہوں اور مَیں نے دیکھا ہے کہ سینما کے شوقین اور اس سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے مضامین میں ایسا تمسخر ہوتا ہے اور اُن کے اخلاق اور اُن کا مذاق ایسا گندا ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ سینما والوں کی غرض تو روپیہ کمانا ہے نہ کہ اخلاق سکھانا۔ اور وہ روپیہ کمانے کے لیے ایسے لغو اور بے ہودہ فسانے اور گانے پیش کرتے ہیں کہ جو اخلاق کو سخت خراب کرنے والے ہوتے ہیں اور شرفاء جب ان میں جاتے ہیں تو ان کا مذاق بھی بگڑ جاتا ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں کا بھی جن کو وہ سینما دیکھنے کے لیے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور سینما ملک کے اخلاق پر ایسا تباہ کُن اثر ڈال رہے ہیں کہ مَیں سمجھتا ہوں میرا منع کرنا تو الگ رہا اگر مَیں ممانعت نہ کروں تو بھی مومن کی روح کو خود بخود اِس سے بغاوت کرنی چاہیے۔

اِسی طرح سادہ زندگی اختیار کرنے کی تحریک ہے۔ گو یہ بھی حکم نہیں بلکہ بعض حالات میں قرآن کریم کا حکم ہے کہ وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ **12** اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ہے تو انسان کے بدن پر بھی اُس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔**13** مگر آج اسلام کے لیے قربانیوں کا زمانہ ہے اور ایسا زمانہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ اسلام کی خاطر قربانی کرنے کی غرض سے جائز خواہشات کو بھی جہاں تک چھوڑ سکیں چھوڑ دیں۔ جب تک ایسا نہ کیا جائے اسلام کو ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ آج ہمیں جائز خواہشات کو بھی اسلام کے لیے ترک کر دینا چاہیے۔ اسلام مَیں نے نازل نہیں کیا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے بھی یہ نہیں یہ تو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ مَیں تو صرف اِس کی خدمت کرنے والا ہوں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خدا تعالیٰ کے پیغامبر تھے۔ اِس کی ذمہ داری صرف مجھ پر نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی نہیں خود قرآن کریم آپؐ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ تُو داروغہ نہیں **14** حالانکہ آپ اسلام لانے والے تھے اور آپ کو حکم تھا کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ **15** اور اِس لحاظ سے اسلام کی اشاعت کی ذمہ داری سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہے۔ اور جب اِن کے متعلق اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ تُو نگران، محافظ اور ذمہ دار نہیں تو مَیں کس طرح ذمہ دار ہوسکتا ہوں۔ مَیں تو صرف بات پہنچاتا ہوں۔ جن کے دل میں عشق اور محبت ہے اُن کو خود بخود اِس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن جس کے دل میں محبت اور عشق نہیں اُن کو اگر ہزار حکم بھی دیے جائیں تو بھی وہ عمل نہیں کریں گے۔ اثر تو عشق اور محبت کے نتیجہ میں ہوتا ہے کسی کے حکم دینے یا زور دینے سے نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ ایک چندہ کے لیے تحریک کرنی تھی۔ مَیں نے ایک دوست سے کہا کہ اِس کے لیے تحریک لکھیں۔ اور چونکہ وہ نرم طبیعت کے آدمی تھے مَیں نے کہا کہ ذرا زور دار تحریک لکھیں۔ اُن کی تو طبیعت ہی نرم تھی زور دار اُنہوں نے کیا لکھنا تھا اُنہوں نے تحریک لکھی وہ شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے مجھے آکر کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اِس تحریک میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں کہ مَیں زور سے کہتا ہوں۔ تو اِس طرح زور دینے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے دل کی محبت اور عشق سے ہوتا ہے۔ جس کے دل میں محبت ہے اُس کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہے اور جس کے دل میں محبت ہی نہیں اُسے خواہ کتنے زور سے تحریک کی جائے اُس پر اثر نہ ہوگا۔ بلکہ جس کے دل میں محبت ہی نہیں اُس پر تو لاٹھی سے بھی کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔

پس جن لوگوں کے قلوب میں محبت ہے، اسلام کی خدمت کا احساس ہے اُن کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگیوں کو سادہ بنائیں۔ اور ایسا بنائیں کہ زیادہ سے زیادہ خدمتِ اسلام کرنے کے قابل ہوسکیں اور دنیا میں حقیقی مساوات قائم کرسکیں جس کے بغیر دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک حقیقی مساوات قائم نہیں ہوتی دنیا سے مفاسد، تفرقے اور عیاشی کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں محبت ہے وہ الفاظ کو نہیں دیکھتے۔

یہ نہیں دیکھتے کہ کیا حکم دیا گیا ہے یا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہ بات کی غرض و غایت کو سمجھتے اور اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے اِس اقرار کو دیکھتے ہیں جو اُنہوں نے بیعت کے وقت کیا تھا۔ مگر جن کے دلوں میں محبت نہیں اُن پر میرے الفاظ کیا اثر کرسکتے ہیں اُن پر تو قرآن کریم بھی اثر نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم آہستہ آہستہ نازل ہوا تا دلوں پر اثر کرے۔ ابوجہل نے قرآن سُنا مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا، عتبہ و شیبہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مگر ہزاروں لوگ ایسے ہیں کہ ایک ایک آیت کو ہی سُن کر ایمان لے آئے۔ پس ایمان تو تمہارے دلوں سے ہی پیدا ہوگا میرے الفاظ سے نہیں۔ مَیں تو صرف معلّم ہوں اور مَیں نے بات پہنچانی ہے۔ اِس پر عمل کرنے کا جوش تمہارے اندر سے پیدا ہوگا۔ اور یہ جوش محبت اور عشق کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر محبت ہی نہیں تو ہزار حکم بھی بیکار ہیں۔ ارشادات کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور توجہ دلانا اور زور دینا بھی بے سُود ہے۔ لیکن اگر حقیقی محبت اور عشق پیدا ہو جائے تو مَیں ایک لفظ بھی نہ بولوں پھر بھی تم پروانوں کی طرح دَوڑے آؤ گے۔ پس اصل سوال تو دل کی محبت کا ہے احکام کا نہیں۔ اگر محبت نہیں تو سارا قرآن سنانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر محبت پیدا ہو جائے تو دنیا خواہ تمہیں روکنے کے لیے پورا زور لگائے پھر بھی تمہارا قدم اُسی طرف اٹھے گا جس طرح کہ روکتے روکتے بھی پروانے شمع پر ہی آگرتے اور اپنی جانیں فدا کر دیتے ہیں"۔ (الفضل 12؍ دسمبر، 1944ء)

---

1 :بخاری کتاب الرقاق باب التواضع

2 :آل عمران:98

3 :سیرت المہدی روایت نمبر 257

4 :سیرت ابن ہشام جزو 3 صفحہ 331، 332 مطبوعہ قاہرہ 1965ء (مفہوماً)

5 :تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 1546۔ بیروت لبنان

6 :اسدالغابة جلد 3 صفحہ 157۔ مطبوعہ ریاض 1286ھ ابوداؤد ابواب الجمعة بَاب الْإِمَامِ يُكَلِّمُ الرَّجُلَ فِي خُطْبَتِهٖ

7 :اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (المجادلة:13)

8 :ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (المجادلة:14)

9 :ترمذی ابواب المناقب باب رِجَاءَهٗ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْبَكْرٍ

10:تاریخ الخمیس جلد 3 صفحہ 12 زیر عنوان غزوۃ تبوک دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان 1971ء میں "بعشرة آلاف دينار" کے الفاظ ہیں۔

11:بخاری كتاب الرِّقَاق بَاب يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ

12:الضُّحٰی:12

13:جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثْرَ نِعْمَتِهٖ علٰى عَبْدِهٖ

14: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشية :23)

15:المائدۃ:68